صدائے کرب وبلا
الحسین
سید باقر نثار زیدی

صدائے کرب وبلا

سید باقر نثار زیدی

مورّخ طبری نے اپنی تاریخ میں شہیدِ کربلا حضرتِ عابسؑ ابنِ ابی شبیب شاکری کا ایک جملہ محفوظ کیا ہے اور ہم اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے ہیں کہ اس پاکیزہ جملے سے اپنی گفتگو کا آغاز کریں کیونکہ یہ وہ جملہ ہے جس میں اُس مقدس شہید نے پورے فلسفۂ کربلا کو سمیٹ لیا ہے اور جو لوگ حقیقتِ دین کی تلاش میں رہتے ہیں وہ صرف اسی ایک جملے سے سمجھ لیں گے کہ ان کے پورے دین کی حقیقت کیا ہے۔ تاریخِ طبری جلد چہارم صفحہ ۲۴۹ پر حضرت عابسؑ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت شوذبؑ سے فرماتے ہیں۔ ''آج کا دن وہ دن ہے کہ جتنا ہم سے ہوسکے ثواب لوٹ لیں۔ بس آج کے بعد عملِ خیر کا موقع نہیں۔ پھر روزِ حساب آنے والا ہے''۔

یہی حقیقتِ دین ہے، روحِ دین ہے، خلاصۂ دین ہے اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ کربلا کے بعد کچھ بھی باقی نہیں رہا، صرف کربلا باقی رہ گئی۔ اب اگر توحید سمجھنا ہے تو کربلا سے سمجھو۔ نبوت کو جاننا ہے تو کربلا سے جانو۔ مقاماتِ امامت کی سیر کرنا ہے تو کربلا کو دیکھو۔ اسرارِ ولایت کا محرم بننا ہے تو کربلا میں غور و تدبر کرو اور قیامت کو اگر اسی دنیا میں دیکھنا چاہتے ہو تو کربلا کا درد اپنے دل میں بسا کر دیکھو کہ قیامت کس چیز کا نام ہے۔ جس گھرانے سے دنیا کو اسلام ملا اور جو قیامت تک کیلئے قرآن کا ساتھی ٹھہرا

اور ہر شے کیلئے نمونۂ عمل قرار پایا، جس کی محبت کو اللہ نے شرطِ دین، شرطِ ایمان اور شرطِ عمل قرار دیا تھا ُ

سی کو کربلا میں پیوندِ خاک بنا دیا گیا۔اے لوگو! تمھیں کیا معلوم کہ کربلا میں کون قتل ہوگیا۔کربلا میں حسین ؑ قتل نہیں ہوا بلکہ کربلا میں اسلام کو قتل کر دیا گیا، اللہ کو قتل کر دیا گیا، رسول ؐ کو قتل کر دیا گیا، علی ؑ کو قتل کر دیا گیا، حسن ؑ کو قتل کر دیا گیا۔صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کل جس کے دروازے کو آگ لگائی گئی تھی اُس مخدرۂ عصمت کو قتل کر دیا گیا۔اب باقی کیا بچا؟۔لوگ قیامت تک دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھریں گے پھر بھی اسلام و ایمان کی بُو تک نہ سونگھ سکیں گے۔اب اسلام و ایمان صرف اسی کے پاس ہے جس کے دل میں کربلا آباد ہے۔

اگر آپ خصوصی طور پر خود اپنے مذہب کا جائزہ لیں تو آپ کو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ آپ کا پورا مذہب کربلا سے ماخوذ ہے۔کربلا سے ہٹ کر جو کچھ بھی لوگ کہتے ہیں اور لکھتے ہیں اس سے تو سوائے شکوک وشبہات اور بے یقینی کے کچھ بھی نہیں ملتا کیونکہ ان کا تو مقصد ہی لوگوں کی تقسیم در تقسیم کرنا ہے۔اسی میں ان کی بقا ہے اور صرف اسی صورت میں اس کے ذاتی مفادات پورے ہوتے ہیں۔ جبکہ کربلا اپنے چاہنے والوں کو اکھٹا کر کے ایک نقطے پر جمع کرتی ہے۔لہٰذا جن خوش نصیبوں نے کربلا کو اپنا دین سمجھ لیا وہی صراطِ مستقیم پر دائم و قائم ہیں۔حوادثِ زمانہ ان کے قدموں میں لغزش پیدا نہیں کر سکتے اور جو لوگ کربلا کو محض رسماً مانتے ہیں یا معاشرتی دباؤ کے تحت کربلا کا

نام لیتے ہیں وہ قیامت تک متحد نہیں ہو سکتے۔ وہ ہمیشہ ٹولیوں میں تقسیم ہوتے رہیں گے اور دردر کی بھیک مانگتے پھریں گے۔ ہم خاکِ کربلا پر سجدے گزارتے ہیں اور گزارتے رہیں گے کیونکہ یہی ہماری اور ہمارے دین کی بقا کی ضامن ہے۔ اسی کی وجہ سے ہم زندہ ہیں اور انشاء اللہ زندہ رہیں گے۔ فرشِ عزا کی صورت میں جو فورم ہمارے پاس ہے وہ دنیا کی کسی قوم کے پاس نہیں۔ آج جو آپ فضائلِ امیر المومنین سنتے ہیں اور علیؑ علیؑ کے نعرے لگاتے ہیں تو وہ اسی فرشِ عزا کا مرہونِ منّت ہے ورنہ زمانے نے کب کسی کو اتنی مہلت دی ہے کہ وہ خون آشام تلواروں کی چھاؤں میں اپنی جان اور اپنے عقیدے کو محفوظ رکھ سکے۔

عزاداری

کسی قیمتی شے کے چھن جانے سے دل پر جو کیفیت گزرتی ہے اسے غم کہتے ہیں اور جب یہ اجتماعی صورت اختیار کر لے تو اسے عزا کہتے ہیں اور اس کی تین صورتیں ہیں۔
روحِ عزا، رسومِ عزا اور تبلیغِ عزا۔

روحِ عزا

یہ وہ اصل غم ہے جو دل میں ہوتا ہے اور یہ کسی خاص طور طریقے کا پابند نہیں ہوتا جیسا کہ غالبؔ مرحوم نے فرمایا

فریاد کی کوئی لَے نہیں ہے

نالہ پابندِ نَے نہیں ہے

یہ وہ کیفیت ہوتی ہے جو پورے وجود پر طاری رہتی ہے یہاں تک کہ جب انسان دنیوی خوشیوں میں گھرا ہوتا ہے اس وقت بھی یہ غم دل میں چٹکیاں لیتا رہتا ہے۔ جب انسان اپنے جوان بیٹے پر نگاہ ڈالتا ہے تو اسے علیؑ اکبر کی جوانی یاد آتی ہے۔ شیر خوار بچے پر نظر کرتا ہے تو باپ کی گود میں تڑپتا ہوا ایک پھول سا بچہ اسے اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ وہ کھانا کھاتا ہے اور پانی پیتا ہے تو اسے حسینؑ کے بچوں کی بھوک اور پیاس بے چین کر دیتی ہے۔ جب وہ کسی ناہموار زمین پر چلتا ہے یا کسی ایسی زمین پر جہاں کانٹے اور پتھر بکھرے ہوئے ہوں تو اسے اپنے اُس مظلوم امامؑ کی یاد تڑپانے لگتی ہے جس نے بھاری طوق اور گرانبار بیڑیوں سمیت پا پیادہ ایک ہزار سات سو میل کانٹوں پر سفر کیا تھا۔

آغشتہ ایم ہر سرِ خارے بخونِ دل

آئینِ باغبانیِ صحرا نوشتہ ایم

(ہم نے ہر کانٹے کی نوک کو خونِ دل سے سینچا ہے۔ ہم نے صحرا میں باغبانی کرنے کا آئین لکھا ہے)

اس عالم میں انسان کسی فرشِ عزا، کسی خطیب، کسی ذاکر یا کسی کتاب کا محتاج نہیں رہتا۔ اس کا بستر خود فرشِ عزا بن جاتا ہے اور اس کا تصور اسے رلاتا اور تڑپاتا ہے۔ یہی

روحِ عزا ہے جس کی بنیاد محبت ہے ورنہ کسی کی زبان سے مصائبِ حسینؑ سن کر تو اپنے پرائے سب روتے ہیں کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے۔لوگ فلمیں دیکھ کر اور ناول پڑھ کر بھی روتے ہیں لیکن یہ عزا نہیں ہوتی بلکہ جبلّت ہوتی ہے۔اسی لئے مومن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ فضائل سن کر روتا ہے اور مصائب یاد کر کے روتا ہے۔

رسومِ عزا

رسمِ عزا ایک انتہائی ضروری اور لازمی شے ہے کیونکہ یہ تقاضائے مروّت ہے۔دنیا میں جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کے وارث روتے ہیں اور بے قرار ہوتے ہیں۔یہ غم ہے جو محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ دریاں بچھاتے ہیں اور شامیانہ لگاتے ہیں تا کہ تعزیت کیلئے آنے والے وہاں بیٹھ سکیں۔جو لوگ تعزیت کیلئے آتے ہیں وہ وارثوں کے ساتھ شریکِ غم ہوتے ہیں، ان کو تسلیاں دیتے ہیں اور اس بارے میں ہر قوم کا اپنا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ملاّ، جو اصلاً عزائے حسینؑ کا دشمن ہے، ہمیشہ رسومِ عزا پر اعتراض کرتا ہے کیونکہ اس میں اتنی جراءت نہیں ہوتی کہ وہ عزائے حسینؑ کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے۔اسی لئے وہ رسومِ عزا کے خلاف زبان درازی کرتا ہے اور اپنی خود ساختہ شریعت کی آڑ لیتا ہے حالانکہ رسومِ عزاداری ہر قوم ہر ملّت میں ہوا کرتی ہے اور سب کے اپنے اپنے طریقے ہوا کرتے ہیں۔ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ مولوی نے کسی رسم کی مخالفت کی ہو بلکہ جب

اس کا کوئی اپنا مر جاتا ہے تو وہ بھی انہی رسوم پر عمل کرتا ہے لیکن عزاداریِ حسینؑ کو وہ اس قدر سبک سمجھتا ہے کہ اس کی ہر بات پر اعتراض کرتا ہے۔ حالانکہ رسوم کا مقصد ایسے مواقع پیدا کرنا ہوتا ہے جن سے مرنے والے کی یاد تازہ ہو جائے۔ جب کوئی غم اجتماعی طور پر منایا جائے اور اس میں چند خاص طور طریقے بروئے کار لائے جائیں تو یہ رسم عزا ہوتی ہے۔ اس کا ایک مقصد تو خدمتِ اہلبیتؑ میں تعزیت پیش کرنا ہوتا ہے اور دوسرا مقصد اس ذکر کو تازہ کرنا ہوتا ہے تا کہ دنیا کی مصروفیات ہمیں اس غم کیطرف سے غافل نہ کرسکیں۔ گھروں میں اور امامؑ بارگاہوں میں مجالس منعقد کرنا، لوگوں کو آنے کی دعوت دینا، ذاکروں اور خطیبوں کو بلانا، اجتماعی ماتم کرنا، نوحہ خوانی کرنا اور تبرک تقسیم کرنا، یہ سب رسومِ عزا ہیں اور مختلف اقوام میں یہ رسمیں مختلف طریقوں سے ادا کی جاتی ہیں۔ ان رسموں کو نہ تو آج تک کوئی ختم کرسکا ہے اور نہ انشاءاللہ قیامت تک کوئی ختم کر سکے گا۔ یہ رسومِ دائمی ہیں کیونکہ ان کا سبب دائمی ہے۔ ظاہر بظاہر ان رسوم کی ابتداء مظلومہؑ شام سے ہوئی۔ پھر تمام ائمہِؑ اطہار نے ان کو جاری رکھا۔ پھر جیسے جیسے مختلف اقوام کا ایک دوسرے سے اختلاط ہوتا رہا تو ایک قوم کی رسمیں دوسری قوم کی رسموں سے مخلوط ہوتی گئیں۔ مولا امیرؑ المومنین نے فرمایا ہے کہ جو کوئی بھی کسی اچھی رسم کی بنیاد رکھے گا تو جب تک وہ رسم جاری رہے گی اُس کا ثواب اسے ملتا رہے گا۔

غناء

مجالسِ حسینؑ پر اعتراضات کی ابتداء مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی سے کی گئی اور ان چیزوں کو ''غناء'' کہکر مسترد کیا گیا حالانکہ اس کی حقیقت ان کی اپنی خباثت فطری کے سوا کچھ نہیں۔ اتنے بھولے تو یہ بھی نہیں ہیں کہ موسیقی اور غناء کا فرق نہ جانتے ہوں جبکہ یہ دونوں الفاظ عربی کے ہیں اور یہ لوگ خود کو عربی کا ماہر کہتے ہیں۔ غناء موسیقی کی ایک قسم ہے اور اس کا مقصد انسان کے شہوانی جذبات کو ابھارنا ہوتا ہے۔ اللہ نے اس چیز کو حرام کیا ہے نہ کہ موسیقی کو بلکہ خوش لحن ہونا اللہ کے نزدیک ایک پسندیدہ شے ہے۔ حضرتِ داؤدؑ کو لحن بطور معجزہ عطا کیا گیا تھا۔ آج بھی قرآن کو لحن میں پڑھنا ایک پسندیدہ عمل سمجھا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے انسان کا کوئی عضو بیکار نہیں بنایا بلکہ اس لئے بنایا ہے کہ انسان اسے استعمال کرے۔ ہاں اس کے استعمال کو متوازن بنانے کیلئے اُس نے کچھ پابندیاں ضرور لگائی ہیں جن پر عمل کرنا لازمی ہے۔ اگر آپ انسانی نرخرے کی ساخت پر غور فرمائیں اور پھر پھیپھڑوں سے اس کے تعلق کو دیکھیں تو یہ سب کچھ خوش آوازی کا سامان نظر آئے گا۔ بات صرف اِن چیزوں کے استعمال کی ہے۔ اگر ان کو جذباتِ حیوانی کو برانگیختہ کرنے کیلئے استعمال کیا جائے تو یہ یقیناً حرام ہے لیکن اگر اسے مصائبِ حسینؑ کے درد و الم میں اضافے کیلئے استعمال کیا جائے تو اس کے عبادت ہونے میں کوئی شک و شبہ پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ میری ملاقات

ایک مرتبہ سید محمد امرہوی (مجتہد) سے ہوئی۔ان سے میں نے غناء کی تعریف پوچھی تو انہوں نے اپنے بچپن کا ایک واقعہ سنایا۔انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے والد مجھے مجلس میں لے گئے اور صدرِ مجلس میں تشریف فرما ہوئے۔سوز خوانی کی تر تیب کچھ یوں ہوتی ہے کہ مرثیہ خوان پہلے رباعی پڑھتا ہے، پھر سوز، پھر سلام اور آخر میں مرثیہ۔ انہوں نے فرمایا کہ جب مرثیہ خوان نے رباعی شروع کی تو میرے والد نے میری انگلی پکڑی اور پچھلی صفوں میں جا کر بیٹھ گئے اور مجھ سے کہا کہ بیٹا یہ غناء ہے، یہ ہم نہیں سنیں گے۔پھر جب اس نے مرثیہ پڑھنا شروع کیا تو انہوں نے میری انگلی پکڑی اور دوبارہ آگے آکر بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا کہ بیٹا یہ مرثیہ ہے، یہ ہم سنیں گے۔میں نے ان سے عرض کیا کہ قبلہ اس مرثیہ خوان نے رباعی، سوز اور سلام پڑھ کر جو لوگوں سے واہ واہ کرائی تو اپنے فن کے زور پر کرائی اور جب لوگوں کو رلایا تو وہ بھی اپنے فن کے زور پر رلایا۔وہی اشعار اگر میں یا آپ پڑھتے تو ایک آدمی بھی نہ روتا۔تو جس چیز کو آپ غناء کہتے ہیں وہ تو دونوں جگہ موجود ہے، ایک کو آپ حرام کہہ رہے ہیں اور دوسرے کو حلال؟۔اس پر انہوں نے مجھے انتہائی ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا اور کوئی جواب نہ دیا۔میں یہ عرض کرتا ہوں کہ جس طرح آنکھوں کا بہترین استعمال یہ ہے کہ ان سے آثارِ معصومینؑ پر نظر کی جائے، جس طرح کانوں کا بہترین استعمال یہ ہے کہ ان سے ذکرِ معصومینؑ سنا جائے، اسی طرح اچھی آواز کا بہترین استعمال یہ ہے کہ اس کے ذریعے فضائل ومصائبِ معصومینؑ کے تاثر کو دوگنا اور چارگنا کر دیا جائے۔اس کو

غناء کہنا صرف اسی کا کام ہوسکتا ہے جو ذکرِ معصومینؑ کا دشمن ہو یا کم از کم یہ چاہتا ہو کہ اس ذکر کا تاثر بڑھنے نہ پائے۔

جب ہم سیرتِ ائمہؑ پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ نہ صرف اس کی اجازت دیا کرتے تھے بلکہ خود بھی بڑی رغبت سے سنا کرتے تھے بلکہ فرمائش کر کے سنتے تھے۔

یہاں ہم شہادتِ عظمٰی صفحہ ۳۳۸ سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے بات بالکل واضح ہو جائے گی۔

''امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں ابو ہارون مکتوف (شاعر) حاضر ہوا امامؑ نے فرمائش کی کہ مجھے امام حسینؑ کے مرثیے کے اشعار سناؤ۔ ابو ہارون کہتے ہیں کہ میں نے تحت اللفظ بغیر سوز کے پڑھنا شروع کیا تو امامؑ نے فرمایا۔ ''ایسے نہیں، بلکہ جس طرح تم اپنے لئے سوز خوانی سے پڑھتے ہو اور جس طرح قبرِ حسینؑ پر جا کر پڑھتے ہو، اُسی طرح سناؤ''۔ ابو ہارون کہتے ہیں کہ میں نے مرثیہ سوز کے ساتھ پڑھا تو امامؑ نے خوب گریہ کیا اور مزید پڑھنے کی فرمائش کی۔ آپؑ کے گھر کی خواتین بھی پردے میں خوب روئیں''۔

تبلیغِ عزا

عزا کی تیسری صورت تبلیغ ہے اور یہ وہ حالت ہے جب عزادارانِ حسینؑ اپنے گھروں اور امام بارگاہوں سے نکل کر گلیوں، سڑکوں اور بازاروں میں آجاتے ہیں اور ایک منظم

جلوس کی صورت میں ننگے پاؤں، ننگے سر اور گریبان چاک کیے ہوئے، سینہ زنی کرتے ہوئے، زنجیر و قمہ زنی کرتے ہوئے اور سروں پر خاک ڈالے ہوئے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پیدل گشت کرتے ہیں اور گلی گلی کوچہ کوچہ ہائے حسینؑ وائے حسینؑ کی آوازوں سے گونجنے لگتے ہیں اور درو دیوار سے اِن آوازوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ یہ غم کا اظہار بھی ہوتا اور احتجاج بھی جس کو دیکھ کر ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کوئی بات تو ضرور ہے کہ ان لوگوں نے اپنی حالت اس طرح بنا رکھی ہے ورنہ یوں سروں پر خاک ڈالنا، خود کو اذیّت دینا اور اپنے سر و بدن کو زخمی کرنا کون پسند کرتا ہے؟۔ ہر شخص پوچھتا ہے کہ ہُوا کیا ہے؟۔ اور ان کو جواب ملتا ہے کہ قیامت سے پہلے قیامت آ گئی۔ جس نبیؐ کا تم کلمہ پڑھتے ہو اس کے بیٹے اور اس کے پورے گھرانے کو تہِ تیغ کر دیا گیا اور اس کی بیٹیوں کو ننگے سر بازاروں اور درباروں میں پھرایا گیا اور یہ کام کسی اور نے نہیں بلکہ اس نبیؐ کے امتیوں نے کیا ہے۔ یہ سن کر جس کسی کے دل میں تھوڑی سی بھی غیرت و حمیّت ہوتی ہے وہ اپنے مقام پر نہیں رہ سکتا اور اپنے نبیؐ کی اولاد کو قتل کرنے والوں اور ان کی ہتکِ عزت کرنے والوں پر تبرّا کرتا ہوا حسینی صفوں میں داخل ہو جاتا ہے۔ آپ یقین فرمائیں کہ مولوی نے بہت کم لوگوں کو شیعہ بنایا ہے اور جن کو بنایا ہے وہ بھی اسطرح بنایا ہے کہ انہیں کفر سے نکال کر گمراہی میں داخل کر دیا۔ لیکن جلوسِ غم کی یہ تاثیر ہے کہ جو بھی اس کو دیکھ کر شیعہ ہوا تو پھر حسینؑ ہی کا ہو کر رہ گیا۔ عزاداریٔ حسینؑ نے یہ ایک ایسا طاقتور ذریعہ

شیعوں کو عطا کیا ہے جس سے دنیا بھر میں ایک انقلابِ عظیم برپا ہوگیا اور دشمنانِ حسینؑ کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور ہر طرف سے یہ کوشش ہونے لگی کہ کسی بھی صورت اِس جلوسِ عزا کو بند کیا جائے یا اسے ایک چار دیواری تک محدود کردیا جائے۔ اس مقصد کیلئے ہر سال عاشورہ کے دن جلوسوں پر حملے شروع ہوئے جو آج تک کسی نہ کسی صورت میں جاری ہیں۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ جیسے جیسے یہ تشدد بڑھتا گیا ویسے ویسے شرکاءِ جلوس کی تعداد بڑھتی گئی اور جلوس کی شان وشوکت میں بے پناہ اضافہ ہوتا گیا۔ بہت جلد یہ احساس کرلیا گیا کہ باہر سے جلوس کو نقصان پہنچانا ممکن نہیں ہے اور اس کیلئے ضروری ہے کہ شیعوں کی اپنی صفوں میں ایسے لوگوں کو تلاش کیا جائے جو اس مقصد کو پورا کرسکیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک عام شیعہ اس کام کیلئے مناسب نہیں ہوسکتا تھا لہٰذا ایسے لوگوں کا انتخاب کیا گیا جن پر مذہب کی چھاپ لگی ہوئی تھی جو شیعوں میں گہرا اثر ورسوخ رکھتے تھے، جن کے فتوؤں پر عمل کیا جاتا تھا اور جو عملاً دین وشریعت کے بلا شرکتِ غیرے مالک ومختار تھے۔ ان لوگوں نے اخوان المسلمون سے سازباز کرکے اتحاد بین المسلمین کا نعرہ بلند کیا اور اپنے اصل کام کی طرف متوجہ ہوئے اور جلوسِ عزا کی قوت کو توڑنے کیلئے ایک مرحلہ وار پروگرام ترتیب دیا۔

پہلا مرحلہ

سب سے پہلے یہ طے کیا گیا کہ جلوس کے TEMPO کو توڑا جائے اور اس جوش و

جذبے کو مجروح کیا جائے جس کے تحت لوگ زور زور سے چل کر اور ہزار خطرات مول لے کر جلوس میں شرکت کیلئے آتے ہیں۔ ماتم بند کر دیا جائے اور نوحہ خوانوں کو خاموش کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ رسم ڈالی گئی کہ جب نمازِ ظہر کا وقت ہو جائے تو جلوس کو فوراً روک دیا جائے اور نماز کی صفیں کھڑی کر دی جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے شرکاءِ جلوس تتر بتر ہو جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ اسٹالوں پر چلے جاتے ہیں اور چائے نوشی اور سگریٹ نوشی کے مزے لینے لگتے ہیں۔ بہت سے لوگ مختلف ٹولیوں میں بٹ جاتے ہیں اور گپ شپ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ قہقہے مار کر ہنستے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ذوالجناح کو ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ عَلَم سرنگوں کر دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح جلوس کا سارا تقدس خاک میں ملا دیا جاتا ہے اور ایک ایسا منظر سامنے آتا ہے جیسے شرکاءِ جلوس سوگوار نہیں بلکہ تماش بین ہوں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی لوگوں کی غیرت و حمیت جوش میں نہیں آتی اور ایک بندہ بھی اٹھ کر یہ نہیں کہتا کہ ''بدبختو! حکومت سے جو ہمیں لائسنس اور روٹ پرمٹ ملا ہے وہ جلوس کیلئے ملا ہے نماز کیلئے نہیں اور شاہراہ پر کھڑے ہو کر جو نماز پڑھی جا رہی ہے وہ نہ صرف یہ کہ روٹ پرمٹ کی خلاف ورزی ہے بلکہ صریحاً شریعت کے بھی خلاف ہے کیونکہ شریعت میں شاہراہ پر نماز پڑھنا ممنوع ہے کیونکہ اس طرح راہگیروں کو چلنے پھرنے میں مشکل درپیش آتی ہے۔ جس شریعت کو عام راہگیروں کا اتنا خیال ہو تو کیا وہ شریعت یہ گوارا کرے گی کہ حسینؑ کے ماتم داروں اور آثارِ کربلا کا راستہ مسدود کر دیا جائے اور اس نام

نہاداور ریا کاری کی نماز کی آڑ میں جذبۂ غم حسینؑ کو دھیما کر دیا جائے؟ حالانکہ سامنے کی بات ہے کہ اگر کسی کو لازماً اسی وقت نماز پڑھنا ہے تو وہ کسی مسجد میں جا کر بھی پڑھ سکتا ہے ورنہ گھر جا کر تو بہر حال پڑھ ہی سکتا ہے۔لوگوں کو یہ بات سوچنی چاہیئے کہ جس حسینؑ کی خاطر اللہ نے اپنے رسولؐ کی نماز رکوادی اسی حسینؑ کے جلوس کو ایک دکھاوے کی نماز کی خاطر روک دینا مشیتِ خداوندی کی مخالفت کرنا ہے یا نہیں؟۔
جب یہ مناظر دیکھنے میں آتے ہیں تو بے ساختہ زبان پر ''عجل اللہ تعالیٰ فرجک'' جاری ہو جاتا ہے۔اللہ وہ دن جلد لائے جب اِن لشکرِ یذید جیسی نمازیں پڑھنے والوں کا حساب بے باق کیا جائے۔آمین!

دوسرا اقدام

جلوس کا راستہ روکنے کے بعد اُن شعائر اللہ کو ہدف بنایا گیا جو جلوسِ حسینی کی پہچان اور حسینیوں کی جان ہیں اور جن کو دیکھکر ایک غافل انسان بھی کربلا کیطرف متوجہ ہو جاتا ہے۔اب علَم، ذوالجناح، تابوت، جھولے اور تعزیے کے بارے میں ہرزہ سرائی شروع کی گئی اور جلوسِ عاشورہ کے دوران ایسے پمفلٹ تقسیم کئے جانے لگے جن میں ان تبرکات پر نکتہ چینی کی جاتی ہے، ان کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے اور ان پر معاذ اللہ حرام ہونے کے فتوے لگائے جاتے ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ وہی اولادِ یذید جو نصف صدی پہلے ان شعائر اللہ کا راستہ روکے کھڑی تھی، اب بھیس بدل کر ہماری ہی صفوں

میں گھس آئی ہے اوراب مذہبِ شیعہ بمقابلہ نام نہاد علماءِ شیعہ کے عنوان سے ایک نئی جنگ شروع ہوچکی ہے لیکن حسینؑ نے قیامت تک اپنے دشمنوں کی تلواریں کُند کردی ہیں اور شکست ان کا دائمی مقدر بن چکا ہے۔

عَلَم

اب پھر وہی باتیں شروع ہوچکی ہیں کہ بیس روپے کے ڈنڈے پر دس روپے کا کپڑا باندھ کر ایک جھنڈا بنالیا جاتا ہے اور پھر لوگ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور اسے چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ اس چیز کو یہ بدنہاد بت پرستی کہتے ہیں۔ تمام سیاسی پارٹیوں کے اپنے اپنے جھنڈے ہیں جو سڑکوں پر، عمارتوں پر، محلّوں میں اور گھروں پر آویزاں ہوتے ہیں لیکن اِن لوگوں کی منحوس زبان سے اُن جھنڈوں کے بارے میں کبھی ایک لفظ بھی نہ نکلا لیکن حسینؑ کے عَلَم کے بارے میں ان کی زبانیں جھاڑو دیتی ہیں۔ اگر یہ لوگ واقعی اپنے بیان میں سچے ہیں تو کبھی پاکستان کے جھنڈے کے بارے میں بھی کوئی ایسا ہی فتویٰ دے کر دکھائیں۔ وہ جھنڈا تو جب بلند کیا جاتا ہے تو اس کے سامنے مودّب کھڑے ہونا لازمی ہے۔ اس جھنڈے کو تو سلامی دی جاتی ہے۔ ذرا اس کے خلاف کوئی فتویٰ لگائیں تو مزا بھی آئے۔ دس سال جیل کاٹ کر آئیں گے تو ساری مستی جھڑ چکی ہوگی۔

ذوالجناح

ایران میں ذوالجناح نکالنا قانوناً جرم ہے اور اس جرم کے مرتکب کو جیل کی ہوا کھانی پڑتی ہے۔ وہاں ذوالجناح نکالنے کو ''گھوڑا پرستی'' کہا جاتا ہے اور جہاں تک میرے علم میں ہے کم از کم ایک ذوالجناح کو وہ شہید بھی کر چکے ہیں۔ عیدِ قربان کے موقعے پر جو جانور خرید کر لائے جاتے ہیں وہ اُس مینڈھے کی شبیہہ ہوتے ہیں جو حضرتِ اسمٰعیلؑ کے بدلے میں ذبح ہوا تھا۔ اُس مینڈھے کی شبیہہ کو تو یہ لوگ سجا بنا کے گلی گلی کوچہ کوچہ لئے پھرتے ہیں لیکن حسینؑ کے وفادار اور مجاہد گھوڑے کی شبیہہ ان کی آنکھوں میں کھٹکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ گھوڑا نہیں بلکہ خود حسینؑ ان کی آنکھوں میں کھٹکتا ہے۔ جہاں تک مومنین کا تعلق ہے تو وہ تو ذوالجناح کے سُموں کو بوسہ دینا باعثِ سعادت سمجھتے ہیں اور اپنے آنسو حسینؑ کی مادرِ گرامی تک پہنچانے کیلئے اسے اپنا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ اس چیز کو اگر دشمنانِ حسینؑ گھوڑا پرستی کہتے ہیں تو مجھے اتنا بتائیں کہ یہ تو ایک جاندار چیز ہے، لیکن جب تم مکہ جا کر اپنے ہی ہاتھوں سے بنائے ہوئے ایک حجرے اور اس پر اپنے ہی ہاتھوں سے ڈالے ہوئے غلاف کو چومتے چاٹتے ہو تو اُس وقت تمھیں حجرہ پرستی کا خیال نہیں آتا؟۔ اور جب تم حجرِ اسود کے سامنے کھڑے ہو کر اس سے باتیں کرتے ہو اور کہتے ہو کہ ''اے حجرِ اسود! تو گواہ رہنا کہ میں نے اپنا عہد پورا کر دیا'' تو اس وقت تمھیں پتھر پرستی یاد نہیں آتی؟۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم خانۂ

کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور اسے چومتے ہیں تو ہماری مراد کعبہ نہیں بلکہ وہ ہوتا ہے جس کیطرف کعبے کی نسبت جاتی ہے۔اسی طرح جب ہم عَلَم و ذوالجناح کو احتراماً چومتے ہیں تو ہماری مراد وہ ہوتا ہے جس کی طرف اِن چیزوں کی نسبت جاتی ہے۔

تیسرا مرحلہ

اب انہوں نے تیسرا قدم اٹھایا۔ان کو معلوم تھا کہ جلوسِ عزا کی روح اور اِس کی جان زنجیر اور قمہ کا ماتم ہے۔اسی ماتم کو دیکھ کر لوگ حیران ہوا کرتے ہیں، اسی کی ہیبت لوگوں کے دلوں پر بیٹھی ہوئی ہے اور اسی سے متاثر ہو کر ہر سال بہت سے لوگ حسینی صفوں میں داخل ہوتے ہیں۔دشمن ایک مدت سے اس کی تاک میں تھا لیکن جابر حکومتیں اور سفاک فتویٰ باز بھی اس کا بال بیکا نہ کر سکے۔لیکن جب فتنہ خود اپنے گھر سے سر اٹھائے تو نقصان یقینی ہوتا ہے۔اسی مذموم مقصد کیلئے اعلیٰ ترین سطح سے ایک فتویٰ داغا گیا جسمیں زنجیر و قمہ زنی کو حرام قرار دیا گیا۔فتوے کا آنا تھا کہ دنیائے شیعہ میں گویا ایک بھونچال آ گیا۔بہت سے لوگ تذبذب میں پڑ گئے۔یہاں محبت اور شریعت میں ایک تصادم کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔محبت کہتی تھی کہ اُٹھ! اور اپنے بدن کو زخمی کرتا کہ جنابِ زہراءؑ راضی ہوں اور جعلی اور خانہ ساز شریعت کہتی تھی کہ رک جا! تا کہ ملّا راضی ہو جائے۔لیکن ماتمِ حسینؑ نہ تو کسی کے فتوے سے جاری ہوا ہے اور نہ کسی کے فتوے سے بند ہو سکتا ہے۔اللہ ہمارے زنجیر و قمہ زن جوانوں کو سلامت

رکھے کہ انہوں نے اس فتوے کو یکسر مسترد کر دیا اور مشاہدہ یہ کہتا ہے کہ اس فتوے کے آنے کے بعد زنجیر زنی اور قمہ زنی میں اور بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ یہاں ہم چاہتے ہیں کہ وہ فتویٰ آپ کی خدمت میں پیش کریں اور پھر اُس کے مختلف پہلوؤں پر کچھ گفتگو کریں۔

فلسفۂ عزاداری مولفہ آغا خامنہ ای۔صفحہ ۱۸ تا ۲۰

''قمہ لگانا بھی ان کاموں میں سے ہے جو غلط ہیں۔ یہ ایک غلط کام ہے کہ بعض لوگ قمہ ہاتھ میں لیں، اپنے سر پر ماریں اور اپنا خون بہائیں۔ اس کام کا کیا مطلب ہے؟۔ یہ کام کس زاویے سے عزاداری ہے؟۔ یہ کام جعلی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلاشک ان کاموں سے خدا راضی نہیں ہے۔ ہمیں ایسے کام نہیں کرنا چاہئیں جن کی وجہ سے بلند و برتر اسلامی معاشرہ یعنی محبینِ اہلبیتؑ کا معاشرہ جس کا افتخار حضرت ولی عصر ارواحنا فداہ حسینؑ اور امیر المومنینؑ علیؑ کے نامِ مبارک ہیں، وہ دنیا کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نظر میں خرافات کا حامل اور بے منطق و شعور معاشرہ قرار پائے۔ ایسے کام نہ کیجئے۔ میں دل سے ان کاموں سے راضی نہیں ہوں۔ اگر کوئی سرِ عام قمہ زنی کرے تو میں قلباً اس سے ناراض ہوں............ مجھے نہیں معلوم کہ اس کام کی بنیاد کیا ہے اور کون سے ہاتھ ان کاموں کو ہمارے اسلامی اور انقلابی معاشروں میں رائج کر رہے ہیں''۔

فتویٰ آپ نے ملاحظہ فرمالیا اور یقیناً ان امور تک بھی آپ کی نظر پہنچ گئی ہوگی جو اس

فتوے کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

ا۔جعلی ۔خرافات۔ بے منطق وشعور۔

۲۔اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

۳۔مسلم اور غیر مسلم اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

۴۔ مفتی صاحب اس سے قلباً ناراض ہیں اور ان کو راضی کرنا انتہائی ضروری ہے چاہے ملکہِ کونینؑ ناراض ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

۵۔زنجیر اور قمہ کا ماتم زمانہِ قریب ہی کی بات ہے (یعنی پہلے اس کا رواج نہیں تھا) اور اس کو رائج کرنے میں کوئی خفیہ ہاتھ شامل ہے۔

ماتمِ حسینؑ کے لئے ''جعلی'' اور ''خرافات'' جیسے الفاظ وہی شخص ادا کر سکتا ہے جس کا محبتِ حسینؑ سے کوئی تعلق نہ ہو۔ محبت تو رہی ایک طرف، جس کے دل میں حسینؑ کا رتّی برابر احترام نہ ہو، جس کے دل میں خوفِ خدا نہ ہو اور جس کے نزدیک جنابِ فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی ناراضی کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو۔ ماتمِ حسینؑ کو دین سے بے تعلق سمجھنے والا وہی ہو سکتا ہے جس کو یہ معلوم نہ ہو کہ حسینؑ بذاتِ خود دین ہے اور حسینؑ سے ہٹ کر دینِ خدا کوئی وجود ہی نہیں رکھتا۔ جہاں تک مذاق اڑانے کا تعلق ہے تو لوگ تو ارکانِ حج کا بھی مذاق اڑاتے ہیں، تو کیا اِس ڈر سے حج ہی کو ترک کر دینا چاہیئے؟۔

زنجیر و قمہ زنی کو زمانہِ حال کی ایجاد کہنا لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے کیونکہ یہ ماتم صدیوں سے شیعہ قوم میں رائج ہے، یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے اور نہ اس کا تعلق

صرف بعض لوگوں سے ہے بلکہ دنیا بھر میں ایک کثیر تعداد یہ ماتم کرتی ہے۔ روزِ عاشورہ کربلائے معلی میں زنجیر وقمہ زن ماتمیوں کی تعداد دس لاکھ سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور یہ منظر ٹی وی پر ہم کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، مفتی صاحب کو اگر نظر نہ آئے تو اس میں ہمارا تو کوئی قصور نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ماتم کا کوئی تعلق فتوے سے ہے ہی نہیں۔ پچھلے زمانے میں اکثر لوگ جن میں ہمارے ائمہ اطہارؑ بھی شامل ہیں۔ ہر سال فصد کھلوایا کرتے تھے اور ڈھیروں خون بدن سے نکل کر زمین میں چلا جایا کرتا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر صحت برقرار رکھنے کیلئے اپنا خون نکالا جائے تو یہ سنتِ ائمہؑ ہے۔ سوچنا چاہیئے کہ جب انسان اپنی صحت کیلئے اپنا خون نکال کر پھینک دے تو شریعت کچھ نہیں کہتی تو اگر یہی خون محبتِ حسینؑ میں نکالا جائے تو شریعت کی کیا مجال ہے کہ اُف بھی کر سکے کیونکہ یہ خون اس کی محبت میں نکالا جا رہا ہے جو شریعت کا مالک ومختار ہے۔

اگر شرعی پہلو پر بھی غور کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں دو کیفیات سے گزرتا ہے۔ حالتِ اختیار اور حالتِ اضطرار اور مزاجِ شریعت یہ ہے کہ وہ حالتِ اختیار میں انسان پر پابندیاں لگاتی ہے اور حالتِ اضطرار میں اسے آزاد چھوڑتی ہے۔ حالتِ اختیار میں ہزار بندشیں ہوتی ہیں کہ یہ چیز نہ کھاؤ، وہ چیز نہ پیو۔ لیکن حالتِ اضطرار میں انسان کو اجازت ہوتی ہے کہ اگر بھوک کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو انسان مرا ہوا کتا بھی کھا سکتا ہے، یہاں تک کہ اندیشۂ ہلاکت برطرف

ہو جائے ۔شدتِ غم بھی جب اپنی انتہا کو پہنچ جائے تو ایسی حالت میں انسان جو کچھ بھی کرتا ہے وہ شریعت کی قید میں نہیں آتا۔حضرتِ اویسِ قرنیؓ کا اپنے دانت توڑ دینا اور رسول اللہؐ کا اس پر کوئی اعتراض نہ کرنا، مسافرۂ شام کا اونٹ کی ہودج سے اپنا سر ٹکرا کر لہولہان ہو جانا اور امامِ وقتؑ کا خاموش رہنا ہماری بات پر مستحکم دلیلِ شرعی ہے۔اسی طرح غمِ حسینؑ میں بے خود ہو کر اگر کوئی اپنے بدن کو زخمی کرے تو شرعی شواہد اس کی مکمل تائید کرتے ہیں اور اس پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔

جب ہم حالتِ اختیار پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی مشیت ہی یہی کہ محبوب پر جو مصیبت اور اذیت وارد ہو وہی مصیبت اور اذیت محبّ خود اپنے اوپر بھی طاری کرے۔چونکہ امام حسینؑ کا لاشہ دھوپ میں پڑا رہا تھا اس لئے جنابِ رباب سلام اللہ علیہا بھی زندگی بھر سائے میں نہیں بیٹھیں۔یہ عمل امامِ وقتؑ کی نظروں کے سامنے ہو رہا تھا لیکن انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا اس لئے یہ ہمارے لئے ایک حجتِ شرعی کی حیثیت رکھتا ہے۔اسی طرح اگر ہم حضرتِ ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے واقعے پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ حضرتِ اسمٰعیلؑ پیاس سے بیتاب ہیں اور ان کی والدہ پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگاتی ہیں۔جناب ہاجرہؓ کی یہ ادا اللہ کو اس قدر پسند آئی کہ اس نے تمام حاجیوں پر واجب کر دیا کہ وہ بھی صفا اور مروہ کے درمیان بھاگ کر سات چکر لگائیں حالانکہ نہ تو وہ پیاسے ہوتے ہیں اور نہ انہیں پانی کی تلاش ہوتی ہے بلکہ یہ ان کا شعوری اور ارادی

عمل ہوتا ہے۔اسی طرح اگر کوئی حسینؑ کا چاہنے والا یہ چاہے کہ جو کیفیت اس کے زخموں سے چور چور امامؑ پر گزری تھی۔وہی کیفیت اپنے اوپر بھی طاری کرے تو یقیناً وہ مشیتِ خدا کو پورا کرنے والا ہے۔غرض حالتِ اختیاری ہو یا حالتِ اضطراری، دونوں صورتوں میں غمِ حسینؑ میں اپنے آپ کو زخمی کرنا فتویٰ بازوں کی پہنچ سے بہت دور ہے۔

قد قامتہ الصلوٰۃ

یہ وہ مقام ہے جہاں واقعۂ کربلا کی بنیاد پر کلہاڑی چلائی گئی تا کہ پورا معاملہ ہی مشکوک ہوجائے اور وہ علماء جن کی عملاً پوجا کی جاتی ہے، انہوں نے حکومت کے نشے میں سرمست ہوکر یہ کہنا شروع کیا کہ امامِ مظلومؑ کے قیام کا مقصد (معاذ اللہ) حکومت حاصل کرنا تھا۔اس کی تفصیلات آپ ہماری کتاب کشف الحقائق میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بڑوں کی دیکھا دیکھی چھوٹوں نے بھی زبان درازی شروع کردی اور بارگاہِ امامؑ میں طرح طرح کی گستاخیاں شروع ہوگئیں۔بعض نے کہا کہ امام حسینؑ نے بغیر منصوبہ بندی کے جنگ کی اس لئے ان کا مقصد ناکام ہوگیا اور حکومتِ اسلامی قائم نہ ہوسکی (العیاذ اُباللہ)۔یہ ایک ایسا خطرناک موقف تھا جس کو خدانخواستہ اگر تھوڑی سی بھی پزیرائی مل جاتی تو آج عزاداری کا نام ونشان بھی نہ ہوتا بلکہ اس کی جگہ تعزیتی سیمینار اور سیاسی اجتماعات ہورہے ہوتے۔لیکن نورِ خدا کو پھونکوں

سے نہیں بجھایا جا سکتا۔ ذکرِ حسینؑ مخلوق کی کوششوں کی وجہ سے قائم نہیں ہے بلکہ اس کی ذمہ داری خود اللہ نے لی ہے اور حسینؑ کا سب سے بڑا عزادار اور انؑ کے خون کا انتقام لینے والا خود اللہ ہے۔

قیامِ حسینؑ ۶۰ھ کی بات نہیں ہے بلکہ روزِ ازل ہی اس کا فیصلہ ہو چکا تھا اور تبھی سے اس کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ہر نبیؑ کو کربلا کی تفصیلات بتائی گئیں اور ہر نبیؑ و وصیؑ زندگی بھر حسینؑ پر گریہ کرتا رہا۔ اس بات سے ہر شخص واقف ہے کہ تمام انبیاءؑ لوگوں سے اللہ کی توحید منوانے کے لئے آئے تھے اور توحید کو صرف ولایت کے ذریعے ہی جانا اور مانا جا سکتا ہے کیونکہ اللہ کو جاننے اور ماننے کیلئے ضروری ہے کہ ہم کسی نہ کسی نام سے اسے پکاریں مثلاً رحمٰن، رحیم، غفار، ستار وغیرہ۔ ان ناموں کے بغیر نہ اس کو مانا جا سکتا ہے اور نہ اس کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ ان تمام ناموں کا تعلق اُس کی صفات سے ہے اور اس کی تمام صفات تحتِ ولایت ہیں لہٰذا اس کو ماننے کیلئے ضروری ہے کہ اس کی ولایت کو سمجھا جائے اور اس کی ولایت کا مظہرِ تامہ میرا مولا امیرؑ المومنین علیؑ ابنِ ابی طالبؑ ہے۔ لہٰذا دین کا خلاصہ یہ ہے کہ ولایتِ امیرؑ المومنین کی معرفت حاصل کی جائے کیونکہ اس کے بغیر توحید کو سمجھنا اور خود کو موحد بنانا ممکن ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاءؑ و اوصیاءؑ کا فریضۂ منصبی ولایتِ علیؑ لوگوں تک پہنچانا اور ان سے منوانا تھا۔ اسی لئے امیرؑ المومنین نے فرمایا کہ ''جتنی امتوں نے نجات پائی وہ میری وجہ سے اور جتنی امتیں ہلاک ہوئیں وہ بھی میری ہی وجہ سے''۔ یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے حضرتِ

ختمی مرتبتؐ تک پہنچا اور چونکہ آپؐ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا اس لئے آپ
نے انسانوں پر قیامت تک کیلئے حجت تمام کرتے ہوئے علیؑ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر
ان کی ولایت کا اعلان کیا اور اسی موقعے پر اللہ نے اپنے دین کی تکمیل کا اعلان کیا اور
لوگوں کو سمجھایا کہ دین کا اوّل و آخر ولایت ہے۔ولایت ہی کلیدِ توحید ہے جس کے
بغیر توحید کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔بس یہی وقت تھا جب ان لوگوں نے جو بظاہر
مسلمان تھے لیکن بباطن دشمنانِ خدا تھے، ولایتِ علیؑ کے خلاف علَمِ بغاوت بلند کیا
یعنی توحید کے خلاف ایک محاذ بنالیا۔یہ ایک نفسانی بیماری تھی جس کی بنیاد بغضِ علیؑ تھی
اور اس کا واحد علاج خونِ حسینؑ تھا۔اس بیماری نے بڑھتے بڑھتے ایک پھوڑے کی
شکل اختیار کرلی اور سقیفے میں یہ پھوڑا سب کے سامنے ظاہر ہوگیا۔کوئی بھی ماہر سرجن
پھوڑے کا آپریشن اس وقت تک نہیں کرتا جب تک وہ پک نہ جائے۔اسی لئے امیرؑ
المومنین نے اس وقت ہر ظلم صبر و استقامت سے برداشت کرلیا لیکن تلوار نہیں اٹھائی۔
جنگِ صفّین میں جب جنگ فتح ہونے میں چند لمحوں کا فاصلہ رہ گیا تھا اور حضرت مالکِ
اُشتر معاویہ کے خیمے تک پہنچ گئے تھے، اس وقت امیرؑ المومنین نے انہیں واپس
بلالیا۔مالکِ اُشتر جب واپس آئے تو زار و قطار رو رہے تھے۔مولاؑ نے انہیں تسلّی دی
اور فرمایا۔''اے مالک! اب اس کا فیصلہ کربلا میں ہوگا''۔سبب یہی تھا کہ یہ پھوڑا ابھی
کچا تھا اور اسی سبب کی بنا پر امام حسنؑ نے بھی جنگ نہیں کی اور حکومت و اقتدار کو
ٹھوکر ماردی کیونکہ اس پھوڑے کے آپریشن کی ذمہ داری روزِ ازل سے حسینؑ کے

کاندھوں پر ڈالی گئی تھی۔آخر کار وہ وقت آگیا جس کا انتظار تھا۔وحی کا انکار کیا جانے لگا اور اس طرح گویا قرآن کا انکار کردیا گیا اور قرآن کے انکار کا مطلب یقیناً توحید کا انکار تھا۔ولایتِ علیؑ کو مٹانے کی کوششیں اپنے عروج پر پہنچ گئیں۔کربلا کی جنگ اسی ولایتِ علیؑ پر لڑی گئی تھی جس کی دلیل یہ ہے کہ لشکرِ حسینؑ سے جو بھی نکلتا تھا اُس کا نعرہ یہی ہوتا تھا کہ میں دینِ علیؑ پر ہوں اور لشکرِ یزید سے جو نکلتا تھا اس کا نعرہ یہ ہوتا تھا کہ میں دینِ معاویہ پر ہوں۔کربلا میں حسینؑ نے عملاً ولایت کو ثابت کرکے دکھایا۔یہ ولایت حسینؑ کے ہر سپاہی میں، ہر خاتون میں اور ہر بچے میں سرایت کر گئی تھی۔یہ وہ واحد معرکہ تھا جسمیں مظلومیت کی تلوار نے ظلم کی شہ رگ کو کاٹ ڈالا، جس میں فتح و شکست کے معیار بدل دیئے گئے۔جس مین مقتول فاتح اور قاتل شکست خوردہ قرار دیا گیا۔

آخری سجدہ

ہمارے خطیب اور ذاکرینِ حسینؑ کے آخری سجدے کو محض رونے رلانے کیلئے بیان کرتے ہیں اور اس کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔اس سجدے پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پوری کربلا اس مختصر سجدے میں سمٹ آئی تھی۔آپ فقط یہ غور فرمایئے کہ آخر اس سجدے کا موقعہ اور محل کیا تھا؟۔اس کی ضرورت کیا تھی؟۔یہ نماز کا سجدہ نہیں تھا، نہ یہ شکر کا سجدہ تھا۔تو پھر یہ کیا تھا؟۔تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب میرا مظلوم امامؑ زین

سے زمین پر تشریف لایا تو اس کا جسمِ اطہر زمین پر نہیں تھا بلکہ تیروں پر معلق تھا۔ بس ایک تھوڑا سا تصور کیجئے کہ جب میرے مولاؑ نے سجدہ کیا ہوگا تو کیا سارے تیر بدن کو توڑ کر نہ نکل گئے ہوں گے؟۔ ہماری جانیں اور ہماری اولادیں قربان اپنے آقا پر! یہ وہ منظر تھا جب زمین و آسمان کانپ رہے تھے۔ جب تمام انبیاءؑ و ملائکہ مبہوت کھڑے تھے اور حیرت و استعجاب سے ان کے کلیجے تھرتھرا رہے تھے۔ آخر یہ سجدہ تھا کیا؟۔ بات صرف اتنی ہے کہ حسینؑ نے اپنی ولایت کا ایسا بھرپور مظاہرہ کیا تھا کہ اگر وہؑ یہ سجدہ نہ کرتے تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج ہر گھر میں حسینؑ کا بُت رکھا ہوتا اور ہر شخص حسینؑ کی پرستش کر رہا ہوتا۔ حسین کا یہ آخری سجدہ تھا جو توحید کو بچا لے گیا اور اسی لئے میرے مولاؑ کا ایک نام "دلیل علی التوحید" بھی ہے۔

یہ تھا قیامِ حسینؑ کا مقصد جس کیلئے حسینؑ نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا، کچھ بھی بچا کر نہ رکھا۔ ورنہ اگر اُنؑ کا قیام حصولِ حکومت کیلئے ہوتا تو وہ لشکر اور اسلحہ لے کر جاتے، عورتوں اور بچوں کو ساتھ لیکر نہ جاتے۔ لیکن ان کا مقصد تو اپنے باپ کی ولایت اور اللہ کی توحید کو بچانا تھا، سو انہوں نے بچا لیا۔

آدابِ عزاء

ذکرِ حسینؑ ایک ایسی عبادت ہے جو تمام عبادات پر محیط ہے۔ جب آپ ذکرِ حسینؑ کر رہے ہوتے ہیں تو بیک وقت آپ ذکرِ خدا بھی کر رہے ہوتے ہیں، ذکرِ رسول بھی کر

رہے ہوتے ہیں، ذکرِ امیرؑ المومنین بھی کر رہے ہوتے ہیں اور ذکرِ ائمہؑ طاہرین بھی کر رہے ہوتے ہیں۔اس طرح اِس مبارک ذکر کی وجہ سے تمام اذکار زندۂ پائندہ ہیں۔ ہماری عبادتیں اسی ذکر کا طواف کرتی نظر آتی ہیں۔بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اذانیں سن کر اِس مجموعۂ عبادات کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور ایک بے روح و بے مقصد نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں کیونکہ جو نماز حسینؑ کو چھوڑ کر پڑھی جائے،اس میں اور لشکرِ یزید کی نماز میں کوئی فرق نہیں۔حسینؑ ہی کی وجہ سے تو نماز عبادتِ خدا کا درجہ پاتی ہے،اگر حسینؑ نہ ہو تو یہی نماز عبادتِ شیطان بن جاتی ہے۔

جب کوئی اِس نظر سے مجلسِ حسینؑ کو دیکھے گا تو یقیناً وہ اِس مجلس کے آداب کو بھی مدنظر رکھے گا اور جلوسِ حسینؑ کے دوران بھی یہ آداب اس کی نظر سے اوجھل نہیں ہوں گے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ مجلسِ حسینؑ پر تو بہت توجہ دی گئی لیکن آدابِ مجلس کا خیال ذرا کم ہی رہا اور اس میں کچھ ایسی چیزیں شامل کر دی گئیں جو شرافتِ انسانی کے خلاف ہیں۔اس کی ذمہ داری کسی ایک پر نہیں ڈالی جا سکتی بلکہ بہت سے لوگ اس میں حصہ دار ہیں، صاحبانِ منبر بھی، صاحبانِ محراب بھی اور خود عزادارانِ حسینؑ بھی۔ہم ان کی نشاندہی اس لئے کر رہے ہیں تا کہ لوگ اس پر توجہ کریں اور اس مبارک ذکر میں اغراضِ دنیوی کو شامل نہ ہونے دیں۔

پہلی مثال

مجلسِ حسینؑ اپنے اختتامی مراحل میں ہے، بیانِ مصائب اپنے نقطۂ عروج پر ہے اور عزادار دھاڑیں مار مار کر رو رہے ہیں اور سر و سینہ پیٹ رہے ہیں، آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی ہے کہ اتنے میں خطیب دستِ دعا بلند کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "پروردگار! ان عزاداروں میں جو بے روزگار ہیں انہیں روزگار عطا فرما، جو بے اولاد ہیں انہیں اولاد عطا فرما، جو قید ہیں ان کو رہائی نصیب کر، ہمارے رزق میں اضافہ فرما" اور اسی قسم کی دوسری دعائیں کرتا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ بات اہلبیتؑ سے بے مروّتی کی انتہاء ہے جس پر انسان اگر ذرا بھی تدبر کرے تو ساری بات اس کی سمجھ میں آجائے گی۔ اگر کسی کے یہاں موت ہو جائے، میت رکھی ہوئی ہو اور آپ وہاں تعزیت کیلئے جائیں، وارثوں کے ساتھ شریکِ گریہ ہوں اور ان کو تسلّی دیں اور اس کے بعد ان سے کہیں کہ "مجھے دس ہزار روپے کی سخت ضرورت ہے، اگر آپ عنایت فرما دیں تو بڑی مہربانی ہوگی"۔ آپ اپنے ایمان سے کہیئے کہ کیا ایسے موقعے پر آپ یہ کہنے کی جراءت کر سکتے ہیں؟۔ ہرگز نہیں! کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ یہ بات مروّت کے خلاف ہے۔ اور اگر وہ شخص سخی ہے اور وہ آپ کو روپے دے بھی دے تب بھی وہ ایسے موقعے پر مانگنے والے کو انتہائی بے مروّت اور مطلبی شخص ضرور سمجھے گا اور ایسا شخص اُس کی نظر سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے گر جائے گا۔ آپ خود سوچیئے کہ کیا آپ کی نظر میں

اہلبیتؑ کی عزت وحرمت ایک عام آدمی کے برابر بھی نہیں؟۔کیا لوگ نہیں جانتے کہ وہ ایسے مقام پر ہیں جہاں خود سیدہ کونینؑ تشریف فرماہیں اوراپنے رومال میں عزاداروں کے بہتے ہوئے آنسو جذب کررہی ہیں؟۔ایسے موقعہ پر آپ دنیوی حاجات مانگ کر ان پر کیا ظاہر کرنا چاہتے ہیں؟۔یہی کہ روپیٹ کراب تک جو کارکردگی آپ نے دکھائی تھی اس کا مقصد یہی تھا؟۔خدا کیلئے اس بات کو سمجھیئے اور جب بھی مصائب کے بعد کوئی خطیب دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو اسے ٹوکئے کہ یہ مانگنے کا محل نہیں ہے۔مانگنا ہے تو ۱۳رجب کو مانگو،۳،۴اور۱۵شعبان کو مانگو۔اورسب سے بڑھکر ۱۸ذی الحج کو مانگو کہ یہ خوشی کے موقعے ہیں اور خوشی کے مواقع پر خزانے لٹائے جاتے ہیں۔

دوسری مثال

روزِ عاشورہ جو قیامت کے دن سے کم نہیں، جو ہمارے لئے گریبان چاک کرنے اور سر پر خاک ڈالنے کا دن ہے، خاص اسی روز عجیب مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ تابوت جو حسینِ مظلوم کے جنازے کی شبیہہ ہے، اس پر ہمیں سیب پیوستہ دکھائی دیتے ہیں۔یہ منتی سیب ہوتے ہیں کہ اگر منّت پوری ہوگئی تو اگلے سال پھر چڑھائیں گے۔ ذوالجناح جو اُس گھوڑے کی شبیہہ ہوتا ہے جس نے اپنی پیشانی خونِ حسینؑ میں تر کر کے اہلِ حرم کو قتلِ حسینؑ کی خبر دی تھی، لوگ اس کی ٹانگیں پکڑے ہوئے اپنی اپنی

حاجات بیان کرتے نظر آتے ہیں۔جن لڑکیوں کے رشتے نہیں آتے انہیں بطورِ خاص مجلس یا جلوس میں لایا جاتا ہے اور حضرتِ قاسمؑ کی یاد میں برآمد ہونے والی منہدی ان کے ہاتھوں پر لگائی جاتی ہے تاکہ ان کے رشتے آجائیں۔آپ ایمان داری سے کہیئے کہ کیاسوگوار لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں؟۔کیاوفا شعار لوگوں کا یہی چلن ہوتا ہے؟۔ انتہائی معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کی مثال تو اُن لوگوں جیسی ہوتی ہے جو کسی بھی حادثے کی جگہ پہنچ جاتے ہیں اور زخمیوں کی امداد کے بہانے ان کی گھڑیاں اتار لیتے ہیں اور ان کی جیب سے پیسے نکال لیتے ہیں۔یہ بڑی شرم کی بات ہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ ایسی قبیح رسمیں کس نے رائج کی ہیں۔

تیسری مثال

اب تک جو مثالیں دی گئیں ان کا تعلق عام لوگوں سے تھا۔اب ہم خطیبوں اور ذاکرین کیطرف آتے ہیں جو محض لوگوں کو رلانے کیلئے بے سروپا روایتوں کا سہارا لیتے ہیں حالانکہ امامِ مظلومؑ نے فرمایا تھا کہ ''جو ہماری کوئی ایسی مصیبت بیان کرے جو ہم پر نہ گزری ہو تو اس کا شمار ہمارے قاتلوں میں ہوگا''۔کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ کاش حسینؑ پر یہ مصیبت بھی پڑ جاتی تو ہمیں لوگوں کو رلانے کا اور بھی موقعہ مل جاتا۔وہ ایسی روایات بیان کرنے سے بھی نہیں چوکتے جن سے اہلبیتؑ کی صریح توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ہم ایسی دو مثالیں پیش کرتے ہیں جو ہر خطیب

و ذاکر کی نوکِ زبان پر ہیں۔ پہلی روایت بیان کرنے سے پہلے ہم امیرِ مختارؒ کا ایک مختصر سا واقعہ بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ بات پوری طرح واضح ہو جائے۔

امیرِ مختارؒ جب لڑکپن کی عمر میں تھے تو ان کے والد انہیں امیرؑ المومنین کی خدمت میں لے گئے۔ آپؑ نے ازراہِ شفقت مختارؒ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔ ''یہ لڑکا ایک لاکھ بنی امیہ کو قتل کرے گا''۔ ایک طویل مدت کے بعد ایسا ہوا کہ امیر مختارؒ حجاج بن یوسف ملعون کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، قتل کے احکام جاری کر دیئے گئے، چمڑا اچھا دیا گیا اور مختار کی گردن شکنجے میں کس دی گئی۔ ایسے میں حجاج نے دیکھا کہ مختارؒ ہنس رہے ہیں۔ حجاج کو تعجب ہوا کہ موت اس شخص کے سر پر منڈلا رہی ہے، پھر بھی یہ ہنس رہا ہے۔ اُس نے پوچھا۔ ''کیوں ہنس رہے ہو؟'' مختارؒ نے فرمایا۔ ''میں اس لئے ہنس رہا ہوں کہ تو میرے قتل کیلئے اتنی کوشش کر رہا ہے جبکہ تو مجھے قتل کر ہی نہیں سکتا''۔ حجاج نے غضبناک ہو کر پوچھا کہ ''کیوں نہیں کر سکتا؟'' مختارؒ نے جواب دیا کہ ''میرے مولاؑ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ تو ایک لاکھ بنی امیہ کو قتل کرے گا۔ اب اگر تُو نے مجھے قتل کر دیا تو پھر ایک لاکھ بنی امیہ کو کون قتل کرے گا؟ میرا مولاؑ اَصدق الصادقین ہے۔ اس کا فرمان پورا ہو کر رہے گا''۔ اس واقعے کو بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ علیؑ کے ایک ادنٰی غلام کو اپنے مولاؑ کے فرمان پر کتنا بھرپور اعتماد تھا کہ وہ ایسے موقعے پر بھی پرسکون رہا جبکہ انسان کے اوسان خطا ہو جایا کرتے ہیں۔ اب آیئے اپنے خطبا، وذاکرین کی طرف جو کثرت سے یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرتِ

عباسؑ علمدار میدانِ جنگ میں جانے لگے تو جنابِ زینبؑ نے تمام اہلِ حرم کو جمع کیا اور فرمایا کہ "جب میں مدینے سے چلی تھی تو میں نے تمھارے پردے کی ضمانت لی تھی لیکن اب میں وہ ضمانت واپس لیتی ہوں۔ میں جب بچی تھی تو ایک بار میں اپنے باباؑ کی گود میں بیٹھی ہوئی تھی اور میرے باباؑ بار بار میرے بازوؤں کو چومتے تھے۔ میں نے سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ بیٹی اِن بازوؤں میں رسّی بندھے گی۔ میں اکثر سوچا کرتی تھی کہ جس زینبؑ کا عباسؑ جیسا بھائی موجود ہو اس کے بازوؤں میں کون رسیاں باندھ سکتا ہے۔ لیکن اب جبکہ عباسؑ رخصت ہو گئے تو مجھے یقین ہو گیا کہ میرے بازوؤں میں ضرور رسّی باندھی جائے گی"۔

ہم نے پورا واقعہ مِن و عَن نقل کر دیا۔ اب جس کا ضمیر اس بات کو تسلیم کرنے کیلئے تیار ہو جائے اس کے بارے میں تو ہم کچھ نہیں کہیں گے لیکن جو صاحبانِ عقل و ایمان و غیرت و حمیّت ہوں گے وہ ضرور یہ سوچیں گے کہ علیؑ کا ایک ادنٰی غلام تو اُن کی بات پر اتنا یقین رکھتا ہے کہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھی مسکرا رہا ہے لیکن خود علیؑ کی بیٹی، اور زینبؑ جیسی بیٹی، اپنے باباؑ کی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہے۔ ان باتوں کو سنکر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ ہم تو اپنے خطباء و ذاکرین سے ہاتھ جوڑ کر التجا ہی کر سکتے ہیں کہ وہ روایات پڑھتے وقت انتہائی احتیاط سے کام لیا کریں۔

دوسری روایت جو بڑی کثرت سے بیان کی جاتی ہے وہ زندانِ شام سے رہائی کے بعد اہلِ حرم کے ایک مکان میں جمع ہونے اور شہداء کے سروں کو لائے جانے سے متعلق

ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب شہداء کے سر آئے تو ہر بی بیؑ اپنے اپنے بچے کا سر اپنی گود میں رکھ کر اس پر بَین کرنے لگی۔ صرف دو سر ایسے تھے جن پر رونے والا کوئی نہ تھا۔ راوی نے پوچھا کہ ''کیا ان بچوں کی ماں مر گئی ہے؟'' تو جنابِ زینبؑ نے جواب دیا کہ ''نہیں۔ ان کی ماں میں ہوں لیکن میں ان پر نہیں روؤں گی بلکہ اپنے بھائی حسینؑ پر روؤں گی''۔ یہ روایت بھی سامعین کو رلانے کیلئے بیان کی جاتی ہے۔ لیکن اس بات کا احساس نہیں کیا جاتا کہ اس سے اُن پاک بیبیوںؑ پر (معاذ اللہ) حسینؑ سے بے وفائی کا الزام آتا ہے۔ جو لوگ اُن وفاداروں کی معرفت رکھتے ہیں یقیناً یہ سوچیں گے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ حسینؑ کے سرِ مبارک کو لاوارث اور اکیلا چھوڑ کر اپنے اپنے بچوں پر ماتم کرنا شروع کر دیں۔ اگر انہیں اپنے بچوں سے ایسی ہی محبت ہوتی تو وہ انہیں سجا بنا کر نصرتِ حسینؑ کیلئے میدان میں بھیجتی ہی کیوں؟۔

چوتھی مثال

اس مثال کا تعلق صاحبانِ محراب سے ہے جو اس سلسلے میں پہلے ہی بہت بدنام ہیں اور ان کا کام ہی یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کی توجہ اہلبیتؑ کی طرف سے ہٹا کر انہیں ظاہری عبادات میں مشغول کر دیں۔ عزاداری کے سلسلے میں بھی اُن کا یہی رویّہ ہے۔ رمضان میں شبِ ضربت اور شبِ شہادت قیامت کی راتیں ہوتی ہیں اور ان راتوں میں شہادتِ امیرؑ المومنین ہی ہر نگاہ کا محور ہوتی ہے۔ لوگ جب یہ تصور کرتے ہیں کہ ان

راتوں میں اہلبیتؑ پر کیا گزر رہی ہوگی تو ان کے دل بے قرار ہو جاتے ہیں۔ یہ بے قراری انہیں سونے نہیں دیتی اور وہ تمام رات گریہ و ماتم میں مشغول رہتے ہیں۔ لیکن صاحبانِ محراب خاص انہی راتوں میں لوگوں کو مسجدوں میں جمع کر لیتے ہیں تاکہ وہ سروں پر قرآن اٹھائے ہوئے اپنے گناہوں کی معافیاں مانگتے رہیں اور علیؑ کی طرف ان کا دھیان ہی نہ جائے

شبِ عاشور اور روزِ عاشور ہمارے دل خون کے آنسو رو رہے ہوتے ہیں، سروں پر خاک ڈالے، گریبان چاک کئے اور یاحسینؑ یاحسینؑ کی صدا لگاتے ہم ایک عزاخانے سے دوسرے عزاخانے اور دوسرے عزاخانے سے تیسرے عزاخانے میں حاضری دیتے ہیں اور حسینؑ کی ماں کو اُنؑ کے خاندان کا پرسہ دیتے ہیں۔ نہ ہمیں کھانے پینے کا ہوش ہوتا ہے، نہ ہمیں اپنی خبر ہوتی ہے نہ اپنی اولاد کی، شیر خوار بچوں کو ان کی مائیں دودھ نہیں پلاتیں کہ حسینؑ کے بچے بھوکے اور پیاسے تھے۔ اس انہماک کو توڑنے کیلئے اعمالِ شبِ عاشور اور اعمالِ روزِ عاشور بقلم خود تصنیف کر لئے گئے ہیں تاکہ لوگ حسینؑ کو بھول کر اِن کاموں میں لگ جائیں۔ جو تھوڑی بہت کسر رہ جاتی ہے تو اسے جلوسِ حسینؑ روک کر اور نماز کھڑی کر کے پورا کر دیا جاتا ہے۔

زیارت الحسینؑ

ہم نے اپنا بیان مکمل کر لیا لیکن زیارتِ قبرِ حسینؑ کے سلسلے میں پھیلائی گئی ایک شدید

غلط فہمی کا ازالہ کرنا ہم اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ مذہبی حلقوں سے یہ صدا لگائی جاتی ہے کہ انسان کو حج پہلے کرنا چاہیئے اور زیارت بعد میں کیونکہ بقول ان کے، حج واجب ہے اور زیارت مستحب۔ یہ بھی امامِ مظلومؑ کی اہمیت کم کرنے کی ایک کوشش ہے۔ ہم پوری قوت سے اِس افواہ کی تردید کرتے ہیں اور واضح طور پر اپنے دوستوں کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ زیارتِ حسینؑ مستحب نہیں بلکہ واجب عینی ہے۔ حج میں تو پھر بھی استطاعت کی شرط لگی ہے لیکن زیارتِ حسینؑ غیر مشروط طور پر واجب ہے۔ حج زندگی میں ایک مرتبہ واجب ہے جبکہ زیارتِ قبرِ حسینؑ ہر روز کرنا واجب ہے۔ اس سلسلے میں ہم دو احادیثِ معصومینؑ پیش کرتے ہیں جو ہماری بات پر دلیل ہیں۔ یہ احادیث ہم اپنی کتاب کشف الاحکام سے نقل کر رہے ہیں۔

۱۔ من لا یحضرہ الفقیہ۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۳۷۔ حدیث ۳۱۷۷۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں۔ ''جو شخص امام حسینؑ کی امامت من جانب اللہ ہونے کا اقرار کرتا ہے اس پر آپؑ کی زیارت کرنا واجب ہے''۔

۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۵۸۔ حدیث ۳۲۰۳۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ ''حج زندگی میں ایک بار واجب ہے اور وہ بھی بشرطِ استطاعت۔ لیکن زیارتِ قبرِ حسینؑ ہر روز واجب ہے اور ایسا نہ کرنے والا امام حسینؑ پر ظلم کرنے والا ہے۔ اگر انسان کے لئے ہر روز قبرِ حسینؑ پر جانا ممکن نہ ہو تو اس کا چاہیئے کہ ہر روز اپنے مکان کی چھت پر چلا جائے۔ پہلے دائیں طرف توجہ کرے پھر بائیں

طرف اور پھر آسمان کی طرف نگاہ کرے اور پھر اپنے آقا و مولا امامِ مظلوم کی خدمت میں سلام عرض کرے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے قبرِ حسینؑ پر کھڑے ہو کر سلام کرنا''۔

یہ واضح رہنا چاہیئے کہ امامؑ کے لئے حیات و موت میں کوئی فرق نہیں ہوتا اس لئے جو احکام انؑ کی زندگی میں ان کی زیارت کیلئے ہوتے ہیں وہی احکام ان کی قبر کی زیارت کے بھی ہوتے ہیں۔ ضروری ہے کہ انسان غسل یا کم از کم وضو کر کے ان کی زیارت کیلئے جائے اور جیسے ان کی زندگی میں بغیر اجازت ان کی بارگاہ میں داخل نہیں ہوتا تھا اسی طرح ان کے احاطۂ ضریح میں داخل ہونے سے پہلے بھی لازم ہے کہ ان سے اذنِ دخول طلب کرے۔ ایامِ عزا میں ان سے اپنی دنیوی حاجات کیلئے سوال نہ کرے بلکہ ان سے ان کی محبت اور معرفت مانگے۔ نماز پڑھے تو کبھی ان کی قبر کیطرف پشت کر کے یا قبر کے دائیں یا بائیں کھڑے ہو کر نہ پڑھے بلکہ ان کی قبر کے پیچھے یعنی قبر کو قبلہ بنا کر پڑھے۔ ان کی محبت اور معرفت کو اپنے اوپر لازم کر لے کیونکہ ان چیزوں کے بغیر زیارت قبول نہیں ہوتی۔

وما توفیقی اِلّا باللہِ العلیِ العظیم

تحفہ یا علیؑ مدد

الحسینؑ

صبا کا سینہ بنے سفینہ ذرا طبیعت رواں دواں ہو
ہوا میں خوشبو کے دائرے ہوں، خلا میں کرنوں کا سائباں ہو
زمیں زمرّد اُگل رہی ہو، گلاب گلنار آسماں ہو
ہر ایک کونپل کنول اچھالے، کلی کلی کُنجِ کن فکاں ہو
چمن کے سینے پہ فصلِ گل کا نشاں باندازِ کہکشاں ہو
جبین کو نین پنجتن کے کرم سے فردوسِ اِنس وجاں ہو
سبھی سمندر رہوں میرے بس میں شجر شجر میرا راز داں ہو
درود کی انجمن سجاؤں، دہن میں جبرئیل کی زباں ہو
خیال ہو سلسبیل جیسا، جلو میں لفظوں کا کارواں ہو
چمن سجاؤں میں ہل اتٰی کا محبتوں سے بھرا جہاں ہو
کہیں قبیلہ ہو اولیاء کا، کہیں پہ بہلولؔ کی دکاں ہو
بچھا کے مسند بشارتوں کی دلوں پہ ادراک مہرباں ہو
میں اپنی سوچوں کو آبِ کوثر میں غُسل دے دوں تو امتحان ہو
پڑھوں میں تسبیحِ فاطمہؑ جب تو کعبۂ فکر میں اذاں ہو

اگر یہ سب کچھ ملے تو مدحِ شہنشہِ مشرقین لکھوں
حیا کی تختی پہ اپنی پلکوں سے پھر میں لفظِ حسینؑ لکھوں
(محسنؔ نقوی)